اسلام
کا
اخلاقی نظام

مؤلف

مولوی محمد ارشاد علی

حیدر آباد

تفصیلاتِ طباعت

نام کتابچہ	اسلام کا اخلاقی نظام
مؤلف	محمد ارشاد علی مولوی عالم (نظامیہ)
صفحات	۱۳
اشاعت	اکتوبر ۲۰۰۹
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

https://islahitohfa.com

تنبیہ

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اسلام کا اخلاقی نظام

انسان کے اندر اخلاقی حس ایک فطری حس ہے جس کی رَو سے بعض صفات کو پسند اور بعض صفات کو ناپسند کرتی ہے۔ لوگوں میں مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے۔

سچائی، انصاف، وعدہ وفا کرنا، امانت، ہمدردی، رحم، سخاوت، فراخدلی، صبر اور تحمل، اخلاق اور بُردباری، اولوالعزمی، شجاعت، ضبط نفس، خود داری، شائستگی، ملنساری، فرض شناسی، وفاشعاری، مستعدی، احساس ذمہ داری، آپسی محبت، خیر خواہی، اجتماعی انصاف، معاشرتی مساوات، خدمت والدین، رشتہ داروں کی امداد، ہمسایوں سے حسن سلوک، دوستوں سے رفاقت، یتیموں اور بے کسوں کی خبر گیری، مریضوں کی تیمار داری، مصیبت زدہ لوگوں کی امانت مالی، پاکدامنی، خوش گفتاری، نرم مزاجی، خیر اندیشی، راست بازی، حق گوئی۔

جھوٹ، ظلم، بد عہدی، خیانت، خود غرضی، سنگدلی، بخل، تنگ نظری، بے صبری، چھچھورا پن، تلون مزاجی (طبیعت کا بار بار بدلنا ہے)، پست حوصلگی، بزدلی، بندگی نفس، کم ظرفی، بد تمیزی، کج خلقی، فرض ناشناسی، بے وفائی، کام چوری، غیر ذمہ دارانہ رویہ، تفرقہ، انتشار، بد نظمی، بے ضابطگی، ناانصافی، نا اتفاقی، بدخواہی، ظلم، چوری، زنا، قتل، ڈاکہ، جعل سازی، رشوت خوری، حسد،

بہتان تراشی ، فساد انگیز ، مکّاری ، تکبّر ، ریا کاری، منافقت، ہٹ دھرمی ، ضد، بد زبانی، مردم آزادی، چغلخوری، حسد، بہتان تراشی وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالمگیر حقائق ہے جنکو سب انسان جانتے چلے آرہے ہیں اور جن کا شعور آدمیوں کی فطرت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہا گیا ہے۔ یعنی نیکی وہ چیز ہے جسے سب انسان بھلا جانتے ہیں اور منکر وہ ہے جسے کوئی خوبی اور بھلائی کی حیثیت سے نہیں جانتا۔

<u>اخلاقی نظاموں میں اختلاف کیوں ہے؟</u>

اچھے صفات جب دنیا میں معروف ہیں اور برے صفات منکر ہیں تو دنیا میں اخلاقی انظام مختلف کیوں ہو گئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی حسن اور قبح کا معیار تجویز کرنے اور خیر اور شر کے علم کا ذریعہ متعین کرنے میں لوگ مختلف ہو گئے پھر ان لوگوں کے درمیان اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ اسکے پیچھے قوت نافذہ (Executive Power) کون سی ہے ؟ جس کے زور پر وہ جاری ہو اور وہ کیا محرکات ہیں جو انسان کو اس قانون کی پابندی پر آمادہ کرتے ہے۔

مزید کھوج لگانے پر پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے درمیان، کائنات کے تصور کائنات کے اندر انسان کی حیثیت اور انسانی زندگی کے مقصد میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے جڑ سے شاخوں تک اِن اخلاقی نظاموں میں اختلاف ہو گیا۔ اور انکی شکل مختلف اور ان کا مزاج مختلف ہو گیا۔

انسان کی زندگی میں اصل فیصلہ کن سوالات حسب ذیل ہیں

۱. اس کائنات کا کوئی خدا ہے یا نہیں ہے ؟

۲. اگر ہے تو ایک ہے یا بہت ہیں۔

۳. جسکی خدائی مانی جائے اسکے صفات کیا ہیں۔

۴. ہمارے ساتھ اسکا تعلق کیا ہے۔

۵. اس نے ہمکو صرف پیدا کیا یا رہنمائی کا کوئی انتظام بھی کیا ہے۔

۶. ہم اسکے سامنے جوابدہ ہیں یا نہیں ہیں۔

۷. جوابدہی کس قسم کی ہو گی ؟

۸. ہماری زندگی کا مقصد اور انجام کیا ہے۔

ان سوالات کے جوابات جس نوعیت کے ہونگے اُسی کے مطابق نظام زندگی بنے گا۔ اور اُس کے مطابق اخلاق کا نظام بنے گا۔ اب اگر جوابات مختلف ہوں گے تو نظام زندگی اور نظام اخلاق بھی مختلف ہوں گے۔

اسلام کا نظریہ زندگی اور اخلاق

اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ اُس نے پیدا کیا اس نے ہدایت بھی دی، وہی حاکم اور وہی پروردگار ہے۔ اُس کی اطاعت پر یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ وہی علیم و خبیر ہے۔ پیغمبر اسی کی طرف سے اور کتابیں اُسی کی طرف سے بھیجے گئے۔ انسان اپنی زندگی کے پورے کارنامے کیلئے خدا کے سامنے آخرت میں جوابدہ ہے اور موجودہ دنیوی زندگی ایک امتحانی مہلت ہے۔

مذکورہ جوابات ہی وہ معیار ہیں جس پر اسلامی زندگی اور نظام اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے اور جس پر اسلام کے اخلاقی نظام میں کسی طرز عمل کو پرکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔اسی پر اخلاق کی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔

اخلاق کی پشت پر قوت نافذہ

وہ ہے خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا اندیشہ، ابدی مستقبل کی ہلاکت کا خطرہ یہ سب انسان کیلئے ایک طرح سے اندرونی دباؤ اور داخلی دباؤ ہے اس پر اگر کوئی سیاسی نظام ہے تو وہ ایک طرح سے خارجی دباؤ ہے اور اصل اہمیت داخلی دباؤ کی ہے۔ آدمی اگر رضاء الٰہی کو مقصود بنالیتا ہے تو اخلاق کے بلند معیار تک پہنچ جاتا ہے۔

دین کی تباہی دولتمندوں سے ہے۔

وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے خوب سرفراز فرمایا ہے۔ یہ لوگ اپنی بستیوں میں فسق اور فجور، ظلم و عدوان کو پہلے اختیار کرتے ہیں، خود مستی اور خود رُخی زندگی پر چلتے ہیں پھر اسکے بعد ہمسایہ بستیاں بدی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ احکام الٰہی کو پہلے یہ لوگ ترک کرتے ہیں، شیطانی طریقوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نفس پرستی کیلئے شریعت کی بندشیں ڈھیلی کرتے ہیں۔ خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کراتے ہیں ۔ قوم کو خداپرستی کی جگہ بادشاہ پرستی، اُمراء پرستی کی عادت ڈالتے ہیں۔ انبیاء لوگوں کو خدا کے آگے جھکنے کی تربیت دیے اور یہ دولتمند لوگ ان کو بندوں کے آگے جھکاتے ہیں۔

یہ لوگ خوشنما لباسوں ، شاندار محلوں میں معاصی اور جرائم کا ارتکاب کر کے اپنی قوم کیلئے گناہوں کو اور جرائم کو خوشنما بناتے ہیں۔ یہ لوگ حرام کا مال کھاتے اور قوم کو حرام میں مُلوّث کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو علم کو ضلالت کیلئے اور عقل اور فکر کو شرارت کیلئے ، ذہانت کو مکر اور فریب کیلئے اور سازشوں کیلئے ، دولت کو ایمان خریدنے کیلئے، حکومت کو ظلم کیلئے اور طاقت کو استکبار کیلئے استعمال کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جو جائز حقوق کو حاصل کرنے میں مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔ رعایا کو ترقی سے روک دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ انکی خوشامد پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ رشوت کو یہ لوگ عام کرتے ہیں۔ جھوٹ سازش اور دیگر ذلیل راستے یہی لوگ ہموار کرتے ہیں۔

غرض اخلاق اور اعمال کا کوئی فساد ایسا نہیں ہے جس کی ابتدا ان سے نہیں ہوتی۔ خود بھی بگڑے اور قوم کو بھی بگاڑے ضَلّوا فأضَلّو اس طرح صدیوں سے اخلاقی فساد کا گھن مسلمانوں کی قومی طاقت کو اندر ہی اندر کھاتے جا رہا ہے۔ جرائم سے دن رات ان کے دامن آلودہ ہیں۔ قوم کی ذہنیت کے سانچے کو اسلام سے منحرف کر دیے، دین بیزاری کو عام کر دیے۔ یہی لوگ معاشرے میں علانیہ ہر قسم کی قانون شکنی کیئے۔ زبان حال سے ترک صوم صلوۃ کی تبلیغ انہوں نے کی۔ سنتوں کو عملاً حقارت سے دیکھنا ان کا مشغلہ تھا۔ اسلامی احکام کی پیروی اور پابندی کو یہ لوگ مُلائیّت سے تعبیر کیئے، ان کی اصلاح میں مُلائیّت تنگ نظری، تاریک خیالی، جہالت ، دقیانوس اور بے عقلی کے مرکب کا نام ہے۔ مُلّا وہ ہے جو روشن خیال نہ ہو مُلّا وہ ہے جو مہذب سوسائیٹی کے قابل نہیں ہوتا۔ یہ دراصل گالیوں کی

ایک گالی ہے۔ دولتمند لوگ دراصل کالے انگریز ہیں۔ان کے زہری لے اثرات عورتوں میں بھی پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ نئ نسل پیدا ہوتے ہی فرنگیت میں ڈوب جا رہی ہے۔

حدیث -:- ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

مغرب کی تہذیب اسلامی اخلاقی نظام کی ضد ہے۔

مغربی جاہلیت کے انسانیت سوز معاشرتی اور معاشیاتی اور اخلاقی حالات کو ملت اسلامیہ کے سامنے بے جھجک ظاہر کرنا ضروری ہے۔

مسیحت کا یہ عقیدہ تثلیث اور گناہ اور کفّارے کے نظریات، عقل سلیم اور پاکیز ضمیر کیلیئے قابل قبول نہیں ہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام اور اجارہ داری اور سود خوری اور دیگر ظالمانہ اور انسانیت کش حربے اور یہ خودسر انفرادی آزادی جس میں اجتماعی کفالت اور باہمی ہمدردی کیلیئے اسوقت تک کوئی گنجائش نہیں ہے جب تک کہ قانون کا ڈنڈا حرکت پہ نہ آئے۔

زندگی کا یہ مادہ پرستانہ اور سطحی اور بے جان تصور اور یہ چوپایوں کی سی بے لگامی جس کو اختلاطی آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ طلاق کے تکلیف دہ اور عملی زندگی کے منافی قوانین وضوربط یہ ناپاک اور مجنونانہ نسلی امتیاز یہ سب کچھ عقل سلیم کے خلاف ہے۔ اور انسانیت کیلیئے باعث شرم ہے۔

عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے، نئ نسل بے راہ روی کا شکارہ۔ بے حیائی، فحاشی، عریانی، بے پردگی، مخلوط تعلیم، آباحیت پسندی، جرائم کا سیلاب معاشرہ میں اُمنڈتا جارہا ہے۔ مغرب سے روحانی بیماریوں کے ساتھ، جسمانی بیماریاں بھی سماج میں داخل ہو رہی ہیں ان کی تہذیب انکی سیاست انکی ازدواجی زندگی سب کے سب ظلم و زیادتی پر مشتمل ہے۔

ایک گورا سہی بہت لیکن
انکی تہذیب کتنی کالی ہے

مسلمانوں کا مادی وجود، اخلاقی اور روحانی نظام کے تحت ہی ہے۔ اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق، اسلامی زندگی کے دو اہم جز ہیں۔ مسلمان اس ملک میں ۲۰ کروڑ ہیں یعنی کل ہندوستان کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ لیکن معاشرے کی تعمیر اور سماجی مسائل سے دلچسپی میں ان کا کوئی اسلامی کردار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان اپنی امتیازی حیثیت اور منصب سے بھی غافل ہیں۔ مسلمان خود کو دیگر قوموں کی طرح نسلی اور روایتی قوم سمجھ رہی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے مفادات کے تحفظ کو بنیادی اہمیت دے رہے ہیں حالانکہ وہ ایک نظریاتی امت ہے ان کو خیر اُمّت بنا کر برپا کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے عقیدے اور اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی اصلاح کریں۔ سماج میں نیکی اور بھلائی کو پھیلائیں، برائیوں کو مٹائیں۔ عدل و انصاف اور معاشرتی انصاف اور مساوات کو قائم کریں۔ وہ معاشرے میں

مجبوروں، محروموں، کمزوروں اور محتاجوں کی مدد کریں۔ اور رنگ و نسل، زبان، علاقہ اور ذات برادری اور اونچ نیچ کی فصیلوں کو ڈھادیں۔

مسلمان اپنے مقصد حیات کو بھول گئے اور اپنی تمام اخلاقی اور دینی ذمہ داریوں کو بھول گئے۔ اپنی زندگیوں کو دنیوی تعلیم، معاش، رہائش، ملامت اور بے سمت کی زندگی اور بے رُخ کی سیاست میں پھنسا دیے اور وہ صرف مادی اور حیوانی زندگی میں جی رہے ہیں وہ بھول گئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی وجود بھی رکھتے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا مادی وجود اخلاقیات ہی کے تحت ہے۔

مسلمان ماضی کے آئینہ میں معاشرتی اصلاح اور خدمت خلق کے کارناموں کو دیکھ لیں اور اس کو مشعل راہ بنائیں۔

بے یقینی کی نظر ہم بھی ہوے تم بھی ہوئے
عکس ماضی کا رُخ تاب کہاں سے لاؤں

حالات کے تناظر میں ہندوستانی مسلمان کیا کرے؟

مسلمان پست ہمتی اور مایوسی کے دائرے سے باہر نکلیں۔ برادران وطن کے ساتھ عصری علوم اور تعلیمی اور معاشی اور سیاسی میدان میں حصہ لیں۔ مسلمان خیر امت ہو نیکی حیثیت سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ خیر اور بھلائی کا سفیر بنکر ماحول پر اثر انداز ہو جائیں وہ معاشرے کیلئے رحمت اور عوام کیلئے مسیحا بن جائیں۔ خدمت خلق کو اپنی سر گرمیوں کا مرکز بنالیں تو عوام میں ان کا وقار بڑھے گا اور ان کی چھاپ کو معاشرہ محسوس کریگا۔ سماجی مسائل سے کٹ کر رہنا اور شب و روز اپنی

فکر دامن گیر رہنا یہ مسلمان کی صفت نہیں ہو سکتی کیونکہ خود غرضی، اسلام میں ایک بیماری ہے۔

مسلمان اپنی سوچ کا زاویہ نظر بدلیں۔ موجودہ رواج نظریہ اور نظام بدلنے اور معاشرے کے اندر پھیلی سماجی اور اخلاقی خرابیوں اور جہالت کی تاریکیوں کو دور کر نیکے لئے اجتماعی انداز میں خلق خدا کی خدمت کریں۔ اسوقت مسلمان دیگر قوموں کی نظروں میں باوزن اور بااثر ہو جائیگا۔ مسلمان در حقیقت، پوری انسانیت کا خیر خواہ، رہنما اور قائد ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی، معاشی پسماندگی اور اپنے حقیقی منصب کے عدم شعور اور حالات کے دباؤ کی وجہ سے ان کے اندر دفاعی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔ جسکی وجہ سے وہ پوری انسانیت کی خیر خواہی کے بجائے صرف اپنے ذاتی مسائل میں سوچنے لگے۔ اور عام انسانی مسائل سے عدم دلچسپی اُن کا مزاج بن گیا اور یہ حوصلہ اُن سے ختم ہو گیا کہ آگے بڑھ کر حالات کو تبدیل کریں اور ان کا رخ موڑیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کا داعیانہ فرض یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ متحد، متفق اور منظّم ہو کر فریضہ مذکورہ کو ادا کریں۔

یہ تمام سماجی اور اخلاقی برائیاں دور کرنے کیلئے قومی سطح پر جنگی خطوط پر کام ہونا چاہیے۔ دینی و سماجی جماعتوں میں تعاون، عوام اور خواص کا تعاون، حکومت کی مدد ضروری ہے۔

حکومت کی ذمہ داری: سماج میں سود، شراب، زنا، اغوا، چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، رشوت، فحاشی عریانی، بے حیائی، اباحیت پسندی اور پھر اسکے فروغ اور استحکام میں

پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی خصوصاً ٹی-وی کو جو چھوٹ دے دی گئی ہے وہ افسوسناک ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم، مادہ پرستانہ نظام اور نصاب تعلیم اور تربیت کا فقدان اور فلموں کے ذریعے سیکس اور جرائم کی غیر معمولی تشہیر سے کم عمر اور معصوم طلباء اور طالبات میں جنسی بے راہ روی، سیکولریزیم اور دہشت گردی اور تشدد کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہاہے۔ یہ سب بے رہ روئی کی باتیں ساری قوم اور خاص طور پر داعی حق کیلئے غیر معمولی طور پر تشویش ناک ہیں۔

اصولاً یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان ساری برائیوں کا خاتمہ کرے اور اصلاحی ادارے، جماعتیں اور معاشرہ حکومت کا ہر اعتبار کے ساتھ دے لیکن اسکے برعکس اگر حکومت خود غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے تو اصلاحی ادارے جماعتیں اور معاشرہ، خاطر خواہ اصلاح نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں مقتدر حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ حکومت کو اصلاحی مشورے دیتے رہیں تاکہ حکومت اپنے رویہ کو بدلے۔

ساتھ ہی ساتھ ہر مسلمان کی اپنی انفرادی سطح پر داعیانہ فریضہ کے اعتبار سے ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرے تاکہ کل یوم آخرت بازپرس نہ ہوسکے۔ یہ اور بات ہے کہ اصلاح اس قدر وسیع پیمانے پر نہیں ہوسکتی جس قدر کہ حکومت کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

مانا کہ اس زمین کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

حدیث : - حدیث کا مفہوم اس طرح آتا ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ عورتوں سے بھری ہوئی ہے۔ صحابہ نے دریافت فرمایا پھر اسکے بعد کس سے بھر دیگئی، آپ ﷺ نے فرمایا دولتمندوں سے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

با ہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی